وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ

اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (ورحمت) ہے یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں

ذبیح اللہ

God's Sacrifice

Dr.M.H.Durani

ڈاکٹر ایم۔ ایچ دُرانی

1952

www.noor-ul-huda.net

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ذَٰلِكَ

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ

سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا جس دن مرونگا اور جس دن اٹھ کھڑا ہونگا یہ ہے عیسیٰ ابن مریم سچی بات لوگ جس میں جھگڑتے ہیں۔

(سورہ مریم آیت 33)

ذبیح اللہ

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ربنا المسیح کی کفارہ بخش قربانی کے ذریعہ وہ حدِ فاصل جو گناہ کے سبب انسان اور خدا کے درمیان حائل ہے اٹھ جاتی ہے۔ اب ہر شخص خواہ وہ کسی حیثیت کا کیوں نہ ہو بذریعہ ایمان بالکفارہ نجات اور قربت الہٰی حاصل کر سکتا ہے۔

از

ڈاکٹر ایم۔ ایچ درانی

1952

نذر

اے ذبیحُ اللہ آپ جو جہان کے گناہ اٹھالے جاتیں ہیں آپ کے حضور ایک گدائے بوریہ نشین آپ ہی کے گلستان کے بکھرے ہوئے پھولوں کی چند پنکھڑیاں چن کر لایا ہوں۔ شہنشاہوں کے شہنشاہ اس نذر کو قبول فرمایئے پھیکی عبارت اور ان بے جوڑ جملوں میں اپنی تاثیر ڈال دیجئے۔ تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے۔

درانی

الکفارہ

لفظ کفّارہ عربی لفظ "کفر" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ڈھانپنے کے ہیں۔ عبرانی لفظ "کپیر" کا بھی یہی مطلب ہے۔ کفّارہ کے لئے جو انگریزی لفظ (Atonement) بائبل میں مستعمل ہوا ہے اس کے معنی ایک ہو جانا یا ملاپ کر لینا ہے۔ الہیات میں وہ فعل مراد ہے جو گناہ کے سبب اور خدا کے درمیان جدائی کا پردہ حائل ہے وہ اٹھ جائے اور یوں انسان اور خدا میں از سر نو میل میلاپ ہو جائے پس کفّارہ ایسا ذریعہ ہے جس کے باعث گنہگار الٰہی طبعیت کا حصول اور ملاپِ خداوندی حاصل کر سکتا ہے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ حصول نجات اور تقرب الٰہی کو مذہب اور ایمان کا مقصد قرار دیا گیا ہے لیکن حیرت ہے کہ حصول نجات وغیرہ کے مختلف طریقے پیش کئے جاتے ہیں جبکہ مذاہب عالم کا مقصد ایک ہی ہو۔ بہر حال ہم مختصراً اس رسالہ میں ایسے چشموں کا ذکر کرینگے جن کی بنا پر تقرب الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مسیحی لٹریچر سے یہ ثابت کرینگے کہ خدا کا ملاپ جو مذہب کی غائیت ہے وہ بذریعہ ایمان بالکفّارہ حاصل ہوتا ہے ورنہ ممکن نہیں کہ گنہگار الٰہی طبعیت کا حصول اور خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کر سکے خواہ وہ کتنی ہی جدوجہد کیوں نہ کرے۔

کفارہ بذریعہ قربانی

چنانچہ دنیا کی دینی تواریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل دنیا کے نزدیک خواہ وہ کسی مذہب وملت کا کیوں نہ ہو۔ قربانی ہی کو ایک ایسا ذریعہ ٹھہرایا جس کے باعث گنہگار الٰہی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر انسان کے دل پر یہ کندہ کیا گیا ہے کہ بغیر خون معافی نہیں مل سکتی گو اس خیال میں گہری صداقت ہے لیکن جانوروں کی قربانی سے الٰہی خوشنودی اور معافی کا حصول ممکن نہیں اس لئے قربانی گناہوں کا حقیقی اور کافی بدلہ متصور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ

(ا) عدل پورا بدلہ چاہتا ہے گناہ چونکہ الٰہی بے عزتی اور انسانی حق تلفی کا باعث ہے اس لئے کسی جانور کا دکھ اٹھانا خدا اور انسان کی حق تلفی اور بے عزتی کا پورا بدلہ نہیں ہو سکتا۔

(ب) بے سمجھ اور مجبور جانور زبردستی سے ذبح کر لئے جاتے ہیں۔ اس لئے جانوروں کی قربانی گناہوں کی معافی کے حصول کی عقلی توجیہ نہیں ہو سکتی بلکہ یہ خیال مضحکہ خیز ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ انسان نے جس خود غرضی کے زیر اثر گناہ کیا وہ اسی خود غرضی کے زیر اثر ایک اور بے سمجھ مخلوق کو دکھ دے کر تقاضا عدل پورا نہیں کر سکتا اور نہ ہی الٰہی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

(ج) فرض کیجئے اگر زید نے بکر کو نقصان پہنچایا ہو تو ممکن ہے کہ وہ اپنے صادر شدہ جرم یا خطا کا کوئی معاوضہ پیش کرے لیکن کیا وہ اس طور سے اپنی برائیوں کے نتائج کو مٹا سکتا ہے اس مظلوم کی دادرسی ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ بد عملی کا معاوضہ جانور کی قربانی خلافِ انصاف ہے، اس لئے کہ قربانی سے نہ تو ہرجہ دار کی دادرسی ہو سکتی ہے اور نہ ہی قربانی سے ہرجہ دار کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے دکھوں کا کافی معاوضہ ہو سکتا ہے۔ جس طرح انسان زمانہ ماضی اور کھوئے ہوئے اوقات واپس نہیں لاسکتا۔ اسی طرح قربانی کے ذریعہ وہ گناہ جو دوسروں کے خلاف صادر ہوئے واپس نہیں آسکتے۔

علاوہ بریں اور جو کچھ مجرم دیگا وہ بطور رشوت ہوگا۔ تاکہ اس کے بدلے حاکم کی رعایت حاصل کرکے اپنے جرم کی پاداش اور عدالت کے مواخذہ سے چھٹکارہ پائے۔ حالانکہ کفارہ کا یہ مقصد نہیں کہ انسان خدا کی نظر سے بچ جائے بلکہ یہ کہ خدا کی رضامندی کا حصول ہو لیکن ایسے کفارہ سے الٰہی خوشنودی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو خود غرضی کے زیر اثر ہو از یں جہت جانوروں کی قربانی کو انسان کے گناہوں کا حقیقی اور کافی بدلہ فرض کرنا باطل ٹھہرتا ہے تاوقتیکہ خود خدا اس کا انتظام نہ کرے۔

الغرض جانوروں کی قربانی گناہوں کی معافی کے لئے حقیقی اور کامل بدل نہیں ہو سکتی "ورنہ ان کا گذراننا موقوف نہ ہو جاتا کیونکہ جب عبادت کرنے والے اک بار پاک ہو جاتے تو پھر ان کا دل انہیں گنہگار نہ ٹھہراتا بلکہ وہ قربانیاں سال بہ سال گناہوں کو یاد دلاتی ہیں۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ بیلوں اور بکروں کا خون گناہوں کو دور کرے "(انجیل شریف خطِ عبرانیوں 8 باب 5 آیت، اور 10 باب 1 آیت)۔

اگر جانوروں کی قربانی کی ضرورت ایماندار کے لئے بطور ایما اور علامت اس وقت نہ مانی جائے جب تک کہ حقیقی کامل اور کافی قربانی تحقیق خارجی طور پذیر نہ ہو تو وہ قربانیاں یقیناً مضحکہ خیز ٹھہرینگی۔ اور ان کے متعلق کوئی اور توجیہ نہیں ہو سکتی "پس ضرور تھا کہ آسمانی چیزوں کی نقلیں تو ان کے وسیلہ سے پاک کی جائیں مگر خود آسمانی چیزیں ان سے بہتر قربانیوں کے وسیلہ سے (انجیل شریف خطِ عبرانیوں 9 باب 23 آیت) "جب مسیح آئندہ کی اچھی چیزوں کا سردار کاہن ہو کر آیا تو ۔۔۔۔ بکروں اور بچھڑوں کا خون لے کر نہیں بلکہ اپنا ہی خون لے کر پاک مکان میں ایک ہی بار داخل ہو گیا اور ابدی خلاصی کرائی "(انجیل شریف خطِ عبرانیوں 9 باب 11 تا 12 آیت) "اس نے ایک ہی قربانی چڑھانے سے ان کو ہمیشہ کے لئے کامل کر دیا ہے جو پاک کئے جاتے ہیں "(انجیل شریف خطِ عبرانیوں 10 باب 14)۔ "یہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو بار بار قربان کرے۔۔۔ ورنہ بنائے عالم سے لے کر اس کو بار بار دکھ اٹھانا ضرور ہوتا مگر اب زمانوں کے آخر میں ایک بار ظاہر ہوا تاکہ اپنے آپ کو قربان کرنے سے گناہ کو مٹادے "(انجیل شریف خطِ عبرانیوں 9 باب 25 تا 26 آیت)۔

"تمہاری خلاصی فانی چیزوں یعنی سونے چاندی کے ذریعہ سے نہیں ہوئی بلکہ ایک بے عیب اور بے داغ برے یعنی مسیح کے بیش قیمت خون سے۔ ان (مسیح) کا علم تو بنائے عالم کے پیشتر سے تھا مگر ظہور آخر زمانہ میں تمہاری خاطر ہوا "(انجیل شریف خطِ اول حضرت پطرس 1 باب آیت 18 تا 20) "کیونکہ شریعت کے اعمال سے کوئی بشر اس کے حضور راستباز نہیں ٹھہریگا۔ اس لئے کہ سب نے گناہ کیا اور خدا کے جلال سے محروم ہیں۔ مگر اس کے فضل کے سبب اس مخلصی کے وسیلے سے جو مسیح میں ہے مفت راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں اسے خدا نے اس کے خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو "تاکہ جو گناہ پیشتر ہو چکے تھے اور جن سے خدا نے تحمل کرکے طرح دی تھی ان کے بارے میں وہ اپنی راستبازی ظاہر کرے "بلکہ اسی وقت اس کی راستبازی ظاہر ہو تاکہ وہ خود بھی عادل رہے اور جو مسیح پر ایمان لائے اس کو بھی راستباز ٹھہرانے والا ہے "(انجیل شریف خطِ اہل رومیوں 3 باب آیت 26،22،20)۔

مختصر یہ کہ مسیح کی کفارہ بخش قربانی کے ذریعہ وہ حد فاصل اٹھ جاتی ہے جو گناہ کی وجہ سے انسان اور خدا کے درمیان حائل تھی چونکہ مسیح ہمارے لئے موا فدیہ ہوا اور اس نے ہمیں مخلصی دلائی وہ ہمارے گناہوں کے لئے بدلہ ہوا اس لئے اس نے ہمیں مخلصی وہ ہمارے گناہوں کے لئے بدلہ ہوا اس لئے اس کی موت کے وسیلے اس کے خون بہائے جانے کے وسیلے اور مصلوب ہونے کے وسیلے معافی پاکیزگی گناہوں سے علیحدگی اور ابدی زندگی ملتی ہے۔

کفارہ بوسیلہ اعمال حسنہ

اعمال حسنہ کے ذریعہ نجات کی توقع رکھنا ایک خوش کن خیال ہے۔ کیونکہ بادی النظر میں اعمال حسنہ کے ذریعہ سے نجات پانا نہایت سہل اور بے حد مرغوب معلوم ہوتا ہے چنانچہ جب حضرت انسان اپنے تصور کے بادلوں پر سوار ہو کر قربت الہیٰ حاصل کرنے کے لئے اطاعت، ضبط نفس اور نیابت الہیٰ وغیرہ کے مرحلے طے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو وہ گناہ جو انسان کے اندر بستا ہے اس سے وہ متاثر ہو کر احکام الہیٰ پر بلا کم وکاست جیسا کہ اس پر فرض ہے عمل نہیں کر سکتا۔ یا یوں کہیں کہ انسان جو مرکب من الخطا ہے وہ اپنی قوت بہیمی، قوت سبعی اور قوت شہوانی کے باعث مذکورہ مرحلوں کے طے کرنے کی بجائے گناہ میں پھنس کر اپنے معینہ فرائض کے ادا کرنے سے بھی قاصر ہو جاتا ہے۔

متعقدین اعمال حسنہ کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو کیا از روئے عقل اور کیا از روئے نقل اعمال حسنہ کے ذریعہ نجات پانا نہایت ہی مشکل ہے۔ ممکن نہیں کہ انسان اعلیٰ سبیل سے تواتر نیکی کرتا جائے اور اس سے بدی سرزد نہ ہو۔ اور جب قوائے ثلثہ کے نتائج اور اثرات سے متاثر ہو کر انسان احکام الہیٰ پر عمل نہیں کر سکتا تو سزا ہی کا مستحق ہو گا چونکہ انسان ظاہر بین اور حاضر پسند واقع ہوا ہے لہذا اس کا سفلی اور حستی امور کی طرف جلد مائل ہو جانا بدیہی اور روحانی وللی امور کی طرف بدیر بزحمت چنانچہ ایک باخبر صوفی نے اس مطلب کو یوں ادا کیا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ مبدم کردہ
باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

یہی وجہ ہے بجز ربنا المسیح کے ہر انسان خواہ وہ نبی ہو یا ولی کبھی نہ کبھی اپنے خدا کی حکم عدولی کر کے گنہگار اور عاصی ہو گیا اور ابوالبشر آدم کی طرح اپنے خدا کے آگے یہ کہتا ہوا گرا ربناَ ظلمناَ انفسناَ وَاِن لم تغفر لمناَ ونرَ حمناَ لکونن الخاَسرین (ترجمہ) اے ہمارے رب ہم نے برا کیا اپنی جان کا اور اگر تو نہ بخشے ہم کو اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ہو جاویں نامراد (سورۃ اعراف ۲ع)۔

یہ امر مبرہن ہے کہ جیسے اندھا بینائی کی طرف سے مردہ اور عاری ہے ویسے ہی گنہگار بھی روحانی زندگی میں نشوونما پانے کی طرف سے مردہ ہے اس لئے ضرور ہے کہ وہ پہلے گناہ اور اس کے اثر سے بالکل رہائی پائے ورنہ ممکن نہیں۔ انسان کا ملاپ حق تعالیٰ سے ہو، غرض جیسے اندھا کو بینائی کی ضرورت ہے ویسے گنہگار کو روحانی زندگی کی ضرورت ہے اس کی نو پید روحانی زندگی خدا کی روح کے ساتھ وابستہ ہو کر نشوونما پائے۔

چنانچہ جس طرح پتھر میں از خود زندگی ظاہر نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں کوئی باطنی اصول زندگی موجود نہیں جس کی وجہ سے وہ خود بخود بذریعہ نشوونما حیوانی طبقہ میں داخل ہو جائے۔ جب تک جان کا دخل خارجاً بیجان پتھر میں اس کو بڑھاؤ کی صورت میں نہ لائے بیجان شے بدستور لا تبدیل رہے گی۔ اسی طرح گنہگار انسان جس کا دل مردہ ہے اسے حیات ابدی اور الہیٰ طبعیت کے حصول کی ضرورت ہے۔

پس یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ انسان میں اس وقت حقیقی اور بے لوث پاکیزگی کا مادہ پیدا نہیں ہو سکتا تاآں کہ وہ پہلے تمام امور میں یقین اور ایمان کی مشعل سے الہٰی پاکیزگی حاصل نہ کرلے کیونکہ زندگی بذات خود اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی۔تاوقتیکہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں پر شان الہٰی جاوہ گر نہ ہو کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسان کی ضمیر میں مشکل نہ ہو۔اسی طرح کوئی شخص نیکی نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ پہلے پاکیزگی کے چشمہ سے وابستہ نہ ہو جو بذریعہ ایمان بالکفارہ حاصل ہو سکتا ہے۔

چونکہ گناہوں کے سبب انسان کی طبعیت بگڑ جاتی ہے اور بگڑی ہوئی طبعیت سے نیکی کا صدور محال ہے اس لئے طبعی پاکیزگی حاصل کئے بغیر خدا تعالیٰ کا ملاپ اور حیات ابدی کا حصول غیر ممکن ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ گنہگار اپنی طرف سے الہٰی بے عزتی اور انسانی حق تلفی کا پورا بدلہ دینے اور تقاضائے عدالت کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہتا نہ گنہگار اپنی بگڑی ہوئی طبعیت کو از خود سدھار سکتا ہے کیونکہ برا آدمی برے خزانہ سے اچھی چیزیں نہیں نکال سکتا ہم تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز اور ہماری تمام راستبازی ناپاک لباس کی مانند ہے (کتاب مقدس صحیفہ حضرت یسعیاہ 64 باب 6 آیت)۔

"پس جس طرح حبشی اپنے چمڑے کو یا چیتا اپنے داغوں کو بدل سکے تو تم بھی جو بدی کے عادی ہو نیکی کر سکو گے "(کتاب مقدس صحیفہ حضرت یرمیاہ 13 باب 23 آیت) حالانکہ حیات ابدی حاصل کرنے کے لئے پاک طبعیت کا حصول ضروری ہے "اس پاکیزگی کے طالب رہو جس کے بغیر کوئی خداوند کو نہ دیکھے گا "(انجیل شریف خطِ عبرانیوں 12 باب 14 آیت)۔ مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی 5 باب 8 آیت)۔

طوالت کے خوف سے اس پر مفصل تبصرہ نہیں کیا جا سکتا تاہم مختصر اہم مباحث کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنی نیکیوں کے ذریعہ اپنی خطاؤں کی تلافی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نیکیوں کی کثرت کے سبب بدیوں کی پاداش سے بچ جانا خلاف عقل ہے۔اس لئے کہ اس میں ہرجہ دار کی کی دادرسی نہیں ہوتی نہ ہرجہ کے ملنے اور نہ ہرجہ کے بدلے کی صورت میں۔

(الف) کیونکہ گنہگار سے بدیاں اوروں کے حق میں سرزد ہوں گی اور اسی طرح نیکیاں بھی دوسروں کے حق میں۔

(ب) زیادہ نیکیوں والے گنہگار کے لئے سزا مفروض نہیں ہو سکتی۔

(ج) بدکردار سے نیکیوں کا صدور ممکن نہیں تاوقتیکہ اس ک طبعی اصلاح پیشتر سے نہ ہو اور طبعی اصلاح کے بعد بدی کی طرف میلان نہیں ہو سکتا۔ پس گنہگار کا کوئی نیک عمل اس کی پہلی بدعملی کے اثر کے زوال کی علت نہیں ہو سکتا اور شد کو نشد نہیں کر سکتا۔ مثلاً اگر زید نے بکر کو قتل کیا یا کسی کے دل کو دکھایا وہ زنا وغیرہ کا مرتکب ہوا تو اس کا آئندہ نیک کام نہ گزشتہ اوقات کو واپس لا سکتا ہے اور نہ گزشتہ بدکرداریوں اور ان کے مکروہ نتائج کو مٹا سکتا ہے۔

اگر گنہگار کی بگڑی ہوئی طبعیت سے نیکی کا صدور ممکن مانیں تو گناہ اور نیکی میں کوئی فرق نہ رہے گا گنہگار جو اپنے گناہوں کے باعث الہٰی غضب کا مورد ٹھہرتا ہے جب تک وہ اپنے گناہوں سے پاک اور ان کی پاداش سے بری نہ ہو جائے اس کا کوئی فعل خدائے قدوس وعادل کی نگاہ میں مقبول وپسندیدہ نہ ہو گا ورنہ گناہ خدا کی نفرت کا باعث نہ ہو گا۔

سچ تو یہ ہے کہ جتنے نیک کاموں کا صدور انسان سے ممکن ہے وہ سب کے سب فرائض میں داخل ہیں۔اس لئے فرائض سے زیادہ کوئی ایسا نیک کام نہیں ہو سکتا جو گذشتہ بدکرداریوں کا معاوضہ ہو سکے۔ مثلاً ایک فیاض شخص نے طیش میں آکر زید کو مار ڈالا اب کیا اس کی سخاوت اور نیکی اسے خون کے جرم سے بچا سکتی ہے ؟ اگر وہ اپنی نیکی کی بنا پر رحم کا خواستگار ہو تو کیا حاکم وقت بغیر سزا دئے اسے چھوڑ دیگا۔ ہرگز نہیں بلکہ منصف مزاج حاکم یہ کہے گا اعمال حسنہ میں تم نے اپنا فرض ادا کیا۔ اس سے تمہارے گناہ کی معافی نہیں ہو سکتی۔اور جرم اپنی جگہ ہے اور نیکی اپنی جگہ۔

پس یہ امر ہر طرح سے قبول کرنے کے لائق ہے کہ ہمارے نیک اعمال ہمارے بے شمار گناہوں کو مٹا نہیں سکتے۔ بلکہ نیکی کرنا ہمارا فرض ہے۔ چنانچہ ربنا المسیح نے فرمایا کہ "جب تم سب حکموں کی تعمیل کر چکو تو کہو ہم نکمے نوکر ہیں جو ہم پر کرنا فرض تھا وہی کیا ہے۔(انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا 17 باب 10 آیت)۔

چونکہ نیک کام بجائے خود ضروری ہیں یعنی نیکی کا امکان رکھتے ہوئے نیک کام نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ "تم اپنی شیخیوں پر فخر کرتے ہو۔ ایسا سب فخر برا ہے پس جو کوئی بھلائی کو جانتا ہے اور نہیں کرتا اس کے لئے یہ گناہ ہے "(انجیل شریف خط حضرت یعقوب 4 باب 15، 16 آیت)۔ الغرض جو کچھ کرنا لازم تھا اگر وہ کر لیا تو اس گناہ سے بچ گئے ورنہ گنہگار ٹھہرے لیکن ایک بدی سے بچ جانا دوسرے گناہوں کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے رحم کا افادہ اگر گنہگار کی نیکیوں کے ساتھ مشروط مانا جائے تو وہ حقیقی رحم اور فضل نہیں ہو سکتا بلکہ عدل کو بالکل باطل کر کے اسے تو غیر مقید الظہور بنائے گا۔ اور خود اپنی حقیقت کے خلاف مقید الظہور ٹھہریگا۔ پھر طرفہ یہ کہ جس شرط سے رحم الہیٰ کو مشروط فرض کیا گیا تھا وہ بھی تقاضائے عدالت کو پورا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی صورت ایسی ہی ہو گی جیسے کوئی مجرم سزا سے بچنے کے لئے نیکیوں کی دولت گو یا رشوت کے طور پر پیش کرے تاکہ وہ قاضی کی رعایت حاصل کر کے جرم کی پاداش اور عدالت کے مواخذہ سے چھٹکارا پائے۔ اگر رحم الہیٰ کا مستحق وہی مانا مائے جس کے پاس کچھ نیک اعمال ہوں تو اس طرح پر رحم کا مستحق ٹھہرنے کے لئے مجرم کے نیک اعمال اس کے لئے باعث فخر ٹھہرینگے کیونکہ اس امر میں دوسرے گنہگاروں پر اس کی ترجیح کا باعث نیک اعمال ہی ہونگے۔

اس سے خلاف عقل مشاہدہ یہ ماننا پڑے گا کہ رحم کا کچھ بدلہ پیش نہ کر سکنے والا رحم کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ معاوضہ پیش کرنے والا ہی رحم کا مستحق ہو سکتا ہے اگر نجات بخش ایمان کے ساتھ طبعیت کی تبدیلی اور نیکی کی طرف طبعی میلان لازمی نہ ہو تو ایسا ایمان نجات بخش کیسے متصور ہو سکتا ہے ؟ کیونکہ اگر وہ علت گناہ سے نہ چھڑائے تو اس کے نتیجہ میں ابدی ہلاکت سے بچانے میں کس طرح موثر ہو گا اور جس ایمان سے نیک کرداری کی طرف طبعیت مائل نہ ہو ایسے ایمان کو خدائے قدوس کے ساتھ کیا مناسبت ہو سکتی ہے ؟ کیونکہ "خدا نور ہے اس میں ذرا بھی تاریکی نہیں اگر ہم کہیں کہ ہماری اس کی شراکت ہے اور پھر تاریکی میں چلیں تو ہم جھوٹے ہیں اور حق پر عمل نہیں کرتے "(انجیل شریف خط اول حضرت یوحنا 1 باب 5 تا 6 آیت)۔ جو کوئی اس میں قائم رہتا ہے وہ گناہ نہیں کرتا جو کوئی گناہ کرتا ہے نہ اس نے اسے دیکھا اور نہ جانا ہے۔(انجیل شریف خط اول حضرت یوحنا 3 باب 6 آیت)۔

پس گناہوں کے سبب سے گنہگار کی طبعیت کا بگڑ جانا بدی ہے اور بگڑی ہوئی طبعیت سے حقیقی نیکی کا صدور ممکن نہیں اگر گنہگار کی بگڑی ہوئی طبعیت سے نیکی کا صدور مان بھی لیا جائے تو اس سے گنہگار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ ہی اس کو جس کے خلاف اس سے گناہ سرزد ہوئے بلکہ اس کے کسی نیک عمل سے خدا تعالیٰ کو بھی نفع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسا مفروضہ شان الوہیت کے منافی ہے۔ پس بد عملی کا معاوضہ حسنات کو ماننا خلاف انصاف ہے۔

کفارہ اور سزا

سزا وہی ایک عدالتی امر ہے جو بذات خود تشفی بخش نہیں مجرم کو سزا ملنے سے مظلوم کی تسکین نہیں ہو سکتی یعنی ہرجہ دار کو ہرجہ نہیں پہنچتا۔ مثلاً اگر زید نے بکر کو قتل کیا اب اگر اس جزم کی پاداش میں زید کو کافی سزا دی جائے تو بھی بکر کی زندگی واپس نہیں آسکتی۔ اور نہ ہی اس کی بیوی کے بیوہ اور اس کے بچوں کے یتیم ہو جانے کے نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ سزا کی غرض وغائت یہ ہوتی ہے کہ خطاکار کو آئندہ کے لئے باز رکھا جائے۔ اس لئے سزا کفارہ کا بدل نہیں ہو سکتی جہاں تک کفارہ کا تعلق ہے سزا کافی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی حقیقی کفارہ کا مترادف قرار دی جا سکتی ہے۔ سزا اگر مناسب طور پر بھی دی جائے تو اس کا نتیجہ جسمانی تکلیف

پہنچانا ہی ہو گا۔ تاکہ وہ آئندہ بدی کا مرتکب نہ ہو۔ اس سے صرف انتظامی حیثیت سے روک تھام ہوتی ہے نہ کہ روحانی بلکہ اکثر مجرم سزا کے بعد پہلے کی بہ نسبت نہایت سخت دل اور جرائم پیشہ ہو جاتے ہیں۔ بفرض محال اگر کوئی سزا یافتہ نیکی کی طرف راغب ہو تو وہ حقیقی نیکی نہ ہو گی۔ کیونکہ حقیقی نیکی الہیٰ محبت پر مبنی ہے اس لئے اگر مجرم سزا کے ڈر سے کوئی اچھا کام کرے تو وہ حقیقی نیکی نہیں کہلائیگی۔ نیز ایسے شخص کا بدیوں سے باز رہنا الہیٰ محبت کی خاطر نہ ہو گا۔ بلکہ سزا سے بچنے کے لئے لہذا ایسی راستبازی جو لالچ اور خوف پر مبنی ہو وہ کسی صورت میں بھی حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ مجرم اپنی غیر طبعی موافقت کے باعث نجات اور قربت الہیٰ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

چونکہ گنہگار ارتکاب گناہ سے خدا تعالیٰ کی عدول حکمی کرتا ہے نہ صرف یہ بلکہ اپنی زندگی میں صدہا نفوس کو دکھ پہنچانے کا موجب ہوتا ہے اس لئے اگر ملزم کو تا ابد سزا بھی دی جائے تو بھی خدا اور انسان کی بے عزتی اور حق تلفی کا معاوضہ ادا نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے سزا دی جائے تو وہ انتقامی ہو گی نہ کہ اس کی بد کرداری کے نتائج کا کافی معاوضہ ہو سکتا ہے۔ جس کے بعد وہ نجات کا حقدار ٹھہرے لیکن سزائے انتقامی کبھی تنبیہ نہیں کہلا سکتی کیونکہ اول کا مخرج عدالت ہے اور ثانی کا مخرج محبت ہے۔ اس لئے تنبیہ اس عالم سے مختص ہو گی۔ اور انتقامی سزا آنے والے جہان سے، پس اس سے سزایاب کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی قسم کا فائدہ ہو سکتا ہے۔ نہ خالق کے لئے نہ ظالم کے لئے اور نہ مظلوم کے لئے کیونکہ سزائے عدالت پانے کے بعد اس میں اصلاح پذیر ہونے کی قابلیت نہ رہے گی ورنہ جہنم میں نیکی وبدی کا امکان ماننا پڑے گا۔

پس اگر اس جہان میں گنہگار کے اصلاح پذیر ہونے کا امکان مان لیا جائے تو خدا تعالیٰ جو قادر مطلق اور سراسر محبت ہے۔ وہ گنہگار کو یوم عدالت میں محض انتقامی سزا دینے کے لئے نہ چھوڑے گا۔ اور جس سے کسی طرح کا فائدہ بھی ممکن نہیں۔ نہ تو خدا کو، نہ ظالم کو اور نہ مظلوم کو۔ لیکن وہ جس کے سارے کام حکمت اور محبت سے پر ہیں اس سے ایسی امید نہیں کر سکتے جس طرح ایک غصیلے حاکم سے کی جاتی ہے اس کے ماسوا اگر سزا کے ذریعہ مواخذہ عدالت سے کامل بریت بھی فرض کر لیا جائے تو بھی سزا کے ذریعہ کامل نجات کا حصول ممکن نہیں کیونہ سزا کے ذریعہ گنہگار کی طبعیت الہیٰ طبعیت کے تابع نہیں ہو سکتی اس لئے کہ گناہ آلودہ طبعیت سے حقیقی نیکی کا صدور ممکن نہیں جس طرح کھاری چشمے سے میٹھا پانی نہیں نکل سکتا ویسے ہی کسی متضاد شے سے متاثر طبعیت سے اس کی ضد کا صدور ممکن نہیں نیز الہیٰ خوشنودی کا حاصل کرنا بھی محال ہو گا۔ اور انتہائی سزا کے ذریعہ طبعیت کی اصلاح اور کسی نوع کی پاکیزگی بھی باطل قرار دی جائے گی۔ اور یہ سزا میں گرفتار ہو کر اس سے الہیٰ بے عزتی اور انسانی حق تلفی کے صدور کا امکان ماننے سے مواخذہ عدالت باطل ٹھہرینگے۔ بلکہ دنیا و عقبیٰ میں سزائے نظامت اور سزائے عدالت میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا۔

کفارہ اور توبہ

گناہوں سے توبہ کرنا اور برے افعال سے پشیمان ہونا ایک شریفانہ فعل ہے لیکن مجرد توبہ ہی کو خدا کی خوشنودی اور گناہ سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ٹھہرالینا عادل خدا کی قدوسیت پر بٹہ لگانا ہے۔ کیونکہ توبہ استغفار کا مقصد یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں پر نادم ہونا اور آئندہ ارتکاب گناہ سے بچنا لیکن عدالت کا تقاضہ نہ محض پچھتانے سے پورا ہوتا ہے اور نہ آئندہ افعال ناشائستہ سے باز رہنے کے ارادے سے فرض کیجئے زید کسی جرم کا مرتکب ہوا اب وہ اپنے کئے پر نادم اور پشیمان ہو کر حاکم وقت سے رحم کا خواستگار ہوتا ہے۔ لیکن کیا حاکم اس کی ندامت اور آنسوؤں کو دیکھ کر اسے چھوڑ دے گا؟ ہر گز نہیں کیونہ ایسی معافی سخت بے انصافی ہو گی۔ جب جرم ایک بار ثابت ہو چکا تو پھر قانونی تقاضا، لابدی ہے ورنہ عدالت بے معنی ثابت ہو گی۔ یعنی اگر عدالتی تقاضہ ملحوظ نہ رکھا جائے اور مجرم سزا نہ پائے تو قانونی اصول

پائمال ہو جائینگے۔ لیکن وہ جو کہ عادل ہے وہ کیونکر ایسا کر سکتا ہے جو دنیاوی حاکم بھی نہیں کرنا چاہتے اگر بالفرض محال خدا تعالیٰ ایسا کرے بھی تو کیا وہ عادل کہلا سکتا ہے اور کیا تعطل سے اس کی ذات میں نقص وارد نہ ہو گا؟ ہاں ضرور ہو گا۔ اس لئے بغیر تقاضائے عدل پورا کئے گنہگار کا چھوٹ جانا عقلاً محال ہے اگر کسی کا ہاتھ آگ سے جل جائے اور بعدہ اپنی نادانی سے پشیمان ہو کر توبہ کرے تو کیا آگ کا اثر توبہ سے جاتا رہے گا؟ ہر گز نہیں۔ اسی طرح سے گذشتہ گناہوں پر پشیمان ہونا اپنی نادانیوں سے شرمسار ہونا ان سے توبہ کرنے وغیرہ سے مریض گناہ کو شفا نہیں مل سکتی۔ تاوقتیکہ اس کا مناسب علاج نہ کیا جائے۔ ہاں اگر توبہ سے مراد حقیقی توبہ اور خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ رکھنا، ہو تو عدالت کے تقاضاء کو پورا کرنے کے متعلق جو خدا تعالیٰ کی طرف سے کفارہ مسیح کو تجویز کیا گیا ہے اس پر ایمان لا کر اور اپنی بے بسی کو مدنظر رکھ کر اپنے آپ کو خداوند کے مفت فضل کے سپرد کر دیا جائے تب رحمت حق جوش میں آئیگی۔

تڑپ کے شان کریمی نے لے لیا بوسہ
کہا جو سر کو جھکا کر کہ گنہگار ہوں میں

رحم بلا مبادلہ

چنانچہ وہ جو توبہ ہی کو گناہ کی معافی کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ ساتھ ہی ساتھ خدا کے رحم کو بھی پیش کرتے ہیں اس میں سک نہیں کہ خدا رحیم ہے لیکن وہ عادل بھی ہے اس لئے کہ وہ کسی گنہگار کو بغیر تقاضاً عدالت پورا کئے رحیم کہلانا پسند کرتا یا یوں کہیں کہ وہ رحیم ہونے کے لئے اپنی صفت عدل سے معطل نہیں ہو جاتا اگر خداوند تعالیٰ ایسا کرے بھی تو اس کا عدل قائم نہ رہے گا اور تعطل سے اس کی ذات میں نقص وارد ہو گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ کل انسانوں پر بھی رحم کرنا ضرور ہو گا۔ یعنی بت پرستوں اور مشرکوں اور بت پرستوں کو معاف نہیں کرتا۔ ورنہ انبیاء کا معبوث ہونا کتب سماوی کا نازل ہونا۔ یہ سب عبث ٹھہرینگے لیکن چونکہ یہ سب عبث نہیں اس لئے محض رحم سے نجات کی توقع رکھنا باطل ہے۔

اگر کوئی حاکم مجرم کو سزادئے بغیر چھوڑ دے تو کیا وہ بے انصاف نہیں ٹھہریگا۔ اور کیا خدا تعالیٰ ایسے حاکم کو گنہگار نہ ٹھہرائیگا؟ اگر نہیں تو احکام شرعی باطل نہیں ٹھہرینگے اگر خدا ایسے حاکم کو بے انصاف ٹھہرائیگا تو وہ جو کہ عدل کا سرچشمہ ہے بھلا اس میں بے انصافی کیونکر پائی جائیگی۔ جبکہ وہ دنیوی حاکم کے لئے مکروہ سمجھتا ہے۔ نیز خدا تعالیٰ اس نیکی کا مطالبہ کس طرح کر سکتا ہے جو خود اس کی قدوس ذات میں موجود نہیں؟ کیا نیکیوں کا معیار الٰہی طبعیت نہیں؟ اگر خدا تعالیٰ میں رحم کی صفت اس قدر غالب ہے کہ وہ عدل کو نظر انداز کر سکتا ہے تو انسان میں ایسی صفت کیونکر معیوب مانی جاسکتی ہے؟ الٰہی ذات میں عدل کو عنقا کرنے سے الٰہی قدسیت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اس لئے محض رحم سے نجات ممکن نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی عدالت اٹل ہے اگر خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گناہ کی بخشش بلا معاوضہ ہو سکتی ہو تو وہ عادل اور قدوس نہ رہے گا۔ کیونکہ عدل یہ نہیں کہ گناہوں کی سزا اور انتقام کے متعلق عام شریعت دے کر بعض کو سزادئے بغیر چھوڑ دے اور بعض کو سزا دے گویا کہ ان کے خلاف قدوس خدا کو نفرت نہیں۔

گنہگار ہر حالت میں ظالم ہوتا ہے اور رحم مظلوم کی طرف مائل ہو گا نہ کہ مظلوم کی حالت کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور ظالم پر رحم پس ضرور ہے کہ پہلے تقاضائے عدل پورا ہو تا کہ ظالم اور مظلوم کی حیییییں مساوی ہو جائیں۔ ورنہ مظلوم کی دادرسی کو نظر انداز کرنے سے ظالم پر رحم کرنا عین ظلم ہے پس رحم مذکورہ سے ظاہر ہے کہ رحم بلا مبادلہ یعنی عدل کو نظر انداز کر کے مجرم پر رحم کرنا کسی حالت اور کسی صورت میں جائیز نہیں۔

نیز گناہوں کی جتنی ایجابی صورتیں ہیں وہ سب کی سب سوا شرک کے انسانی حق تلفی کے متعلق ہیں اور دیگر گناہ یعنی عبادت الٰہی وغیرہ بجالانا سبھی حیثیت کے ہیں۔ پس جبکہ ایجابی گناہوں کے لئے رحم بلا مبادلہ باطل ہے تو وہ گناہ جو صرف ذات الٰہی سے متعلق ہیں کیونکر معاف ہو سکتے ہیں جبکہ از روئے اسلام گناہ شرک ہی نا قابل معافی ہے، لہذا رحم بلا مبادلہ ہر حالت میں باطل ٹھہریگا۔ اس میں شبہ نہیں مجرم اسی وقت رحم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جبکہ رحم کرنے والا رحم کرے۔ اگر نہ کرے تو وہ بے انصاف نہ ٹھہریگا کیونکہ رحم قرضہ دادنی نہیں۔ اس لئے کسی کا حق نہیں کہ ضرور اس پر رحم کیا جائے پس رحم کے لئے اعمال حسنہ ضروری نہیں ہو سکتے۔ ورنہ رحم رحم نہ رہے گا۔

رحم بامبادلہ

البتہ یہ ضرور ہے کہ جس طرح مجرم پر رحم کے لئے بدلہ ضروری ہے تاکہ عدل کا تقاضا پورا ہو ویسے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ بدلہ خود راحم کی طرف سے ہو کیونکہ از روئے عدل گناہ کا ہرجہ ضرور کسی پر پڑے گا۔ اگر گنہگار پر پڑے اور بلا معاوضہ نظر انداز کر دیا جائے تو نہ حقیقی عدل ہو گا نہ حقیقی رحم کیونکہ جو ہرجہ یا پاداش نظر انداز ہو جائے۔ اس سے عدل مقید الظہور نہ رہے گا۔ اور رحم کے لئے کچھ اور ادا کرنا شرط مانا جائے گا۔ تو رحم غیر مفید الظہور نہ رہا اور نہ ذات رحم پر منحصر بلکہ ادا کرے پر منحصر اور ادا کرنے والے کا حق ٹھہرا اور رحم بھی ہو گا۔ جو بہر حال غیر مقید الظہور ہو گا۔ اور حقیقی اور کامل عدل بھی ہو گا۔ جو بہر صورت مقید الظہور ہو اور آخری شق کے سوا باقی شقوں میں تو رحم الٰہی باطل ٹھہریگا یا عدل الٰہی گنہگار کی نجات ایسے طریقہ سے ہو سکتی ہے جس میں خدا کے تمام اوصاف قائم رہیں اور ان کا اظہار بھی مناسب طریقہ سے ہو۔ یعنی نہ تو اس کا عدل اس کی رحمت کو معطل کرے اور نہ ہی اس کی رحمت اس کے عدل کو جھٹلائے بلکہ وہ ایسا طریقہ اختیار کرے کہ اقتضاء عدل بھی پورا ہو جائے اور رحم بھی جیسے کوئی جج اگر کسی جرم کی پاداش میں مجرم کو سزائے جرمانہ کرے اور مجرم اقبال جرم کرتے ہوئے رحم کی درخواست کرے اور جج اقتضاء عدل پورا کئے بغیر رحم کرے تو وہ عادل نہیں رہے گا۔ اور اس کے برعکس عدل ہی کو کام میں لائے تو وہ راحم نہیں کہلائے گا۔ ہاں اگر فاضل جج ہرجہ خود برداشت کرے یعنی مجرم کے عوض میں زر فدیہ ادا کرے۔ تو مجرم کے بچنے کی سبیل ہو سکتی ہے ورنہ ممکن نہیں کہ مجرم سزائے عدالت سے بچ جائے پس جب تک جج مجرم کی سزا خود نہ اٹھائے عدل اور رحم کا تقاضا پورا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ربنا المسیح نے رحم اور عدل ظاہر کرنے کے لئے اپنی جان گنہگاروں کے بدلے میں دے دی حالانکہ وہ بے گناہ تھے۔ لیکن چونکہ اس کی محبت انسان سے گہری تھی۔ اور صلیب اس کی راہ میں آئی تو انہوں نے صلیب کو قبول کیا۔ برضا و رغبت صلیبی موت گوار اکی۔ اس حیثیت سے وہ انسان کا نمائندہ بن کر اپنی مبارک زندگی اس فدیہ میں دی جو انسان اپنی بے بسی کے باعث ادا نہ کر سکتا تھا۔ یعنی انسان جب کہ خدا کی اطاعت اور عزت کا حق ادا نہ کرنے کے باعث مجرم تھا۔ لیکن اس جرم کی پاداش میں مسیح نے انسان کی طرف سے کفارہ بخش قربانی چڑھائی اور یوں خدا نے مسیح میں اپنا عدل اور رحم دونوں کو ظاہر کیا اور حکموں وہ دستاویز مٹا ڈالی جو ہمارے نام پر اور ہمارے خلاف تھی اور اس کو صلیب پر کیلوں سے جڑ کر سامنے سے ہٹا دیا۔ اس نے حکومتوں اور اختیاروں کو اپنے اوپر سے اتار کر ان کا برملا تماشہ بنایا اور صلیب کے سبب سے اپنی فتحیابی کا شادیانہ بجایا۔

الغرض چونکہ گناہوں کا بدلہ لازمی ہے اور خدا تعالیٰ کی عدالت اٹل ہے۔ اس لئے رحم بلا مبادلہ تو باطل ہے۔ مگر کگارہ مسیح سے تقاضائے عدل کے استفادہ کی صورت میں رحم بامبادلہ منافی عدل نہیں یوں عدل تو ضرور مقید الظہور ہے مگر رحم مقید الظہور نہیں یعنی نہ گنہگار اپنے کسی نیک عمل کی بنا پر رحم الٰہی کا مستحق ٹھہرتا ہے اور نہ جزو کی ادائیگی کل پر حاوی ہو کر تقاضائے عدل کو پورا کر سکتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف سے رحم بامبادلہ یعنی فضل باعدل کا افادہ غیر مشروط ہے۔ مگر فضل الٰہی سے استفادہ کے لئے بذریعہ ایمان اس پر حقیقی اور کامل بھروسہ رکھنا ضروری اور اکیلی شرط ہے اس کے فضل کے سبب اس مخلصی کے وسیلے سے جو سیدنا مسیح میں

ہے مفت راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں۔اسے خدانے اس کے خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہوتا کہ جو گناہ پیشتر ہو چکے تھے۔اور جن سے خدانے تحمل کرکے طرح دی تھی ان کے بارے میں وہ اپنی راستبازی ظاہر کرے بلکہ اسی وقت اس کی راستبازی ظاہر ہوئی۔تاکہ وہ خود بھی عادل رہے اور جو مسیح پر ایمان لائے اس کو بھی راستباز ٹھہرانے والا ہو۔پس فخر کہاں رہا؟اس کی گنجائش ہی نہیں کونسی شریعت کے سبب سے ؟ کیا اعمال کی شریعت کے سبب ؟ نہیں بلکہ ایمان کی شریعت سے (انجیل شریف خط اہل رومیوں 3 باب 24تا27آیت)۔

کفارہ مسیح اور اس کی اہمیت

ان گزارشات کے بعد میں کفارہ مسیح اور اس کی اہمیت کی طرف توجہ کرتاہوں کہ مسیحیت میں کفارہ سبب حصول نجات قرار دیا گیاہے یعنی نجات بذریعہ ایمان بالکفارہ حاصل ہوسکتی ہے اور نجات سے مراد آثار گناہ اور اس کے نتائج سے کامل رہائی پاکر تقرب الٰہی حاصل کرنا تاکہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں بلکہ الٰہی طبعیت کے تابع ہو کر پاکیزگی میں ترقی کریں۔یایوں کہیں کہ کفارہ مسیح ایک ایسی راہ ہے جس پر ایمان لانے سے انسان نجات خدا کی رضامندی اور تقرب الٰہی حاصل کرتاہے پس اگر ہم یہ سمجھنا چاہیں کہ خدا کی حقیقی رضامندی کس طرح حاصل ہوسکتی ہے ؟ضرور ہے کہ ہم پہلے اس کی صفات پر غور کریں جب ہمیں صفات معلوم ہوجائے گی تب یہ جاننا آسان ہے کہ خدا ہم سے کیا چاہتاہے۔

ربنا المسیح نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ خدا ہمارا آسمانی باپ ہے۔جو ہم سے محبت کرتاہے۔اس کا ارادہ یہ ہے کہ انسان بھی اس کے ساتھ محبت اور پاکیزگی کا رشتہ پیدا کرے لہذا گنہگاروں کو بچانے کی خاطر اس نے اپنے ابن کو دنیا میں بھیجا۔تاکہ وہ خدا کی محبت کا مکاشفہ گناہ آلودہ دنیا پر ظاہر کرے اگرچہ خداوند تعالیٰ قادر مطلق ہے لیکن اس کی محبت بھی ویسی ہے۔جو تمام شیطانی رکاوٹوں پر غالب آتی ہے۔۔۔۔۔۔اگر خدا لامحدود اور ازلی ہے تو اپنی محبت میں صادق اور لا تبدیل ہے۔اگر خدا حاضر وناظر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی محبت میں ہر جگہ موجود ہے۔اگر خدا غفار ورحیم ہے تو محض اپنی محبت کی وجہ سے اگر خدا غیور ہے تو اس کی غیرت محبت کی وجہ سے جوش زن ہوتی ہے۔حتیٰ کہ خدا کا غضب بھی آتش محبت کی چنگاریاں ہیں۔جو ہمارے گناہوں کو بھسم کرنے کے لئے ہیں۔تاکہ انسان توبہ کی طرف مائل ہو اور اپنے نکتہ نظر سے پلٹ کر الٰہی طبعیت کے تابع ہو جائے پس جبکہ خدا محبت ہے تو ہمارا فرض اولین یہ ہے کہ ہم خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھیں۔خدا اور انسان سے محبت رکھنا حقیقی نیکی ہے برعکس ایسے افعال کا ارتکاب جو خدا اور انسان کی محبت کے منافی ہو بدی ہے لیکن چونکہ انسان طبعاً گنہگار ہے اس لئے وہ احکام الٰہی جیسا کہ اس پر فرض ہے عمل نہیں کرسکتا تو وہ تقرب الٰہی سے محروم رہے گا۔اس طبعی تضاد و تخالف کے باعث ہی گنہگار مورد غضب الٰہی ہے۔

کفارہ اور مصالحت

توبہ کرنا یا قربانی وغیرہ دینے بجز اعتراف گناہ سے اظہار نفرت کے کوئی اور فائدہ گنہگار کو نہیں ہوتا۔حالانکہ توبہ کا مقصد معافی حاصل کرنا تھا لیکن چونکہ توبہ اور قربانی وغیرہ سے متضرر کے نقصان کی تلافی اور تسکین نہیں ہوسکتی اس لئے مجرم تقاضائے عدالت کی رو سے مستوجب سزا ٹھہراتا ہے۔اس نکتہ کی وضاحت کے لئے میں یہ عرض کرونگا کہ اگر مجرم اقبال جرم بھی کرے اور آئندہ نہ کرنے کا وعدہ بھی کرے اور پشیمان ہو کر معافی بھی مانگے۔یہاں تک کہ ہرجہ بھی ادا کرنے کے

لئے تیار ہو لیکن متضرر معاف کرنے کے لئے کسی صورت میں بھی تیار نہیں تو کیا مجرم کو نہ اعتراف جرم ہے اور نہ ہی اپنے اعمال سے اظہار نفرت، کیونکہ وہ اپنے اعمال میں کوئی غلطی نہیں دیکھتا۔ لیکن اس پر متضرر معاف کر دیتا ہے تو کیا اس صورت میں ان دونوں کا قلبی مصافحہ ہو سکتا ہے ؟ ممکن نہیں کیونکہ مصالحت دلالت رکھتی ہے دلی تبدیلی پر اور کامل محبت پر جبکہ ہر دو ایک دوسرے کو لبیک کہنے کو تیار ہوں۔ پس جب تک ظالم اور مظلوم کی دلی تبدیلی نہ ہو جائے ممکن نہیں کہ بطور اجتماع ضد یں ملاپ ہو روشنی اور تاریکی میں کیا شراکت اور راستباز اور بے دین میں کیا میل جول جبکہ کفارہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان الٰہی محبت کا گرویدہ ہو کر طبعاً نیکی کرے البتہ مسیح کی قربانی پر ایمان لانے سے گنہگار شخص گناہ اور اس کے نتائج سے بھی رہائی پاتا ہے اور یوں مسیح روح القدس کے ذریعہ ایماندار میں بستا ہے۔ ایماندار کی روح جلال سے جلال تک بدلتا جاتا ہے حتیٰ کہ خداوند کے کمال کا آئینہ بنا دیتا ہے۔ (انجیل شریف خط دوئم کرنتھیوں 3 باب 1 و 18 آیت)۔ علاوہ بریں کسی قسم کا نیک عمل جب تک خطاکار کی دلی تبدیلی نہ ہو۔ اسے کوئی فائدہ پہنچا نہیں سکتا۔ بلکہ اس کے نیک اعمال بطور رشوت مانے جائینگے۔ اسی قسم کے افعال سے خداوند تعالیٰ کو نفرت ہے کیونکہ خدا کے ہر کام معقولیت تنظیم قدوسیت اور محبت سے پر ہوتے ہیں اس کا ارادہ یہ ہے کہ انسان بھی اس کے ساتھ محبت کا رشتہ پیدا کرے چونکہ وہ قدوس ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی مقدس جذبات رکھے۔ مقدس کام کرے اور گھنونے افعال سے نفرت رکھے۔ ورنہ انسان اور خدا میں مصالحت ممکن نہیں کیونکہ اجتماع ضدین محال ہے۔

خدا ہمارا آسمانی باپ ہے

کفارہ مسیح کو عمدگی سے سمجھانے کے لئے میں ایک اور مثال پیش کرتا ہوں فرض کیجئے کہ ایک دیندار باپ اپنے بیٹے کو صحیح طریقے سے تربیت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے اس کا بیٹا بد صحبت میں پڑ جاتا ہے اس کے والدین انتہائی کوشش بھی کرتے ہیں کہ وہ کسی طرح بدی سے باز آئے مگر ان کا بیٹا اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ہمہ قسم کے حیلے تراشتا ہے۔ اگر کوئی ایسی نصیحت کرے تو کہتا ہے کہ یہی عمر کھیلنے کودنے کی ہے۔ اگر اس زمانہ میں عیش وعشرت نہ کی تو پھر موقع کہاں یہ دنیا چار دن کی ہے۔ لہذا کھاو پیو مزے اڑاو کل مر ہی جانا ہے۔ اور کبھی یہ کہتا ہے کہ میں دنیا میں کوئی انوکھا کام نہیں کر رہا۔ سبھی ایسا کرتے ہیں اگر اسے کوئی یہ کہے کہ دیکھو میاں تم اپنا روپیہ فضول خرچی میں صرف کرتے ہو موجودہ یار اغیار ہو جائینگے اپنے بیگانے ہو جائینگے۔ بیگانے تو بیگانے ہی ہیں ان کا ذکر کیا لہذا اب بھی سنبھل جاو۔

چنانچہ اس قسم کی نصیحتیں اس پر کچھ اثر نہیں کرتیں وہ بدستور اپنے مستقبل سے لاپرواہ رہتا ہے۔ لیکن اس کے والدین اپنے بیٹے کی شہر آفاق بدیاں سن سن کر کڑکڑاتے ہیں غمگیں ہوتے ہیں شرمسار ہوتے ہیں۔ تو بھی اپنی محبت کی خوبی ہر وقت دکھلانے کے لئے تیار رہتے ہیں اگر اسے نشے کی حالت میں گندی نالیوں میں پڑا پاتے ہیں۔ تو اسے اٹھالاتے ہیں۔ بعض دفعہ والدین کورٹ میں جا کر اپنے لڑکے کے معاوضہ میں جرمانہ بھی ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح جرمانوں اور قرضوں کو ادا کرتے کرتے وہ مفلس ہو جاتے ہیں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ تو بھی اپنی محبت کی خوبی ہر وقت دکھلاتے ہیں کہ کسی طرح ان کا بیٹا بچ جائے۔

علاوہ بریں ان کی شرمندگی کی وجہ یہ تھی کہ وہ دیندار تھے۔ اور یہ کہ اپنے بچے سے گہری محبت رکھتے تھے۔ اگر والدین بھی اپنے بیٹے ہی کی طرح ہوتے تو وہ اپنے بیٹے کے ساتھ شراب پیتے جوا کھیلتے اور چوری کرتے اپنے بیٹوں کی شرارتوں سے خوش ہوتے لیکن چونکہ وہ نیک تھے اس لئے وہ اپنی بے عزتی سے خوف زدہ ہوتے ہیں اور محبت اور پاکیزگی کی وجہ سے اپنے بیٹے کو گناہ کے گڑھے سے نکالنا چاہتے تھے۔ لیکن بیٹا ہے کہ اسے کسی قسم کی پرواہ نہیں مختصر یہ کہ وہ اپنی عزت اپنا وقار اپنی دولت اپنی تندرستی کھو بیٹھے ہیں۔ اب اس لڑکے کے لئے کس طرح کفارہ پیش کیا جائے اس نے نہ صرف خود کو برباد کیا بلکہ اپنے والدین کو بھی تباہ کیا۔ اب ممکن

نہیں کہ وہ دولت جو اس نے بیہودگیوں میں اڑائی دی اور وہ وقت جو اس نے لہو ولعب میں کھو دیا کسی طرح واپس آسکے۔اب ناممکن ہے کہ اس کی تعلیمی نقصان کی بھی تلافی ہو سکے۔کیونکہ وقت اور موقعہ گذر چکا صرف ایک ہی طریقہ ہے جسکی بناپر وہ شرمسار ہو کر اپنے باپ کے ساتھ رشتہ محبت از سر نو جوڑ سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی اسے اس کے بوڑھے باپ کے بستر کے پاس لے جائے اور کہے کہ دیکھو تمہارا یہ ضعیف باپ تمہاری وجہ سے روتے روتے اندھا ہو گیا اور تمہاری فکر میں گھل گیا۔اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔تمہاری وجہ سے ان کی صحت اور مالی حالت تباہ ہو گئی۔ان کی عزت اور ان کا وقار مٹ گیا دیکھو وہ تم سے کس قدر محبت کرتے ہیں اور تمہارا خیال کس قدر کرتے ہیں کہ صرف یہی ایک موقع ہے انہیں راضی کرلو۔

ممکن ہے کہ وہ اپنے والدین کی شکستہ حالت دیکھ کر بدیوں سے پھرے ممکن ہے کہ وہ اپنے باپ کی پاکیزگی دیکھ کر اپنے گناہوں سے نفرت کرے ممکن ہے کہ وہ اپنے باپ کی محبت کی خوبی دیکھ کر اپنے گناہوں سے نادم ہو۔اور اس شرمندگی کو محسوس کرے جو اس کے والدین نے اس کے لئے اٹھائی۔یہی ایک ایسا طریسہ ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے باپ کی محبت اور پاکیزگی کو معلوم کر سکتا ہے یہی ایک ارادہ ہے جس پر وہ چل کر اپنے باپ کی روح اس کی روح اس کی محبت اور پاکیزگی کو اپنے دل میں آنے دے گا۔صرف یہی ایک ایسا استدلال ہے اور جو اس پر اثر کر سکتا ہے کہ کس طرح باپ کی محبت اور پاکیزگی نے ناکردہ گناہ برداشت کئے۔

محبت الٰہی

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہم مثال مذکورہ میں ایک قانون پاتے ہیں کہ محبت اور پاکیزگی کا جوہر ایثار ہے۔خدا جو کہ محبت اور پاکیزگی کا سرچشمہ ہے بھلا اس کا پدرانہ دل کب یہ گوارا کر سکتا ہے کہ جس کو اس نے اشرف المخلوقات بنایا اور وہ دوزخ کا ایندھن بن جائے۔جیسے باپ اپنے بیٹوں پر ترس کھاتا ہے ویسے خدا تعالیٰ بھی گنہگاروں پر ترس کھاتا ہے خدا جو کہ محبت ہے کیا وہ ایک دینوی باپ کے مقابلے میں اپنے بچوں کے گناہوں پر کم افسوس کرتا ہو گا؟خدا قدوس ہے کیا وہ اپنے بچوں کے گناہوں پر بہ نسبت دینوی باپ کے کم غمگیں ہوتا ہے۔"تم میں ایسا کون سا آدمی ہے کہ اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اسے پتھر دے؟یا اگر مچھلی مانگے تو اسے سانپ دے پس جبکہ تم برے ہو کر اپنے بیٹوں کو اچھی چیزیں دینی جانتے ہو تو تمہارا باپ (پروردگار) جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا؟مانا کہ انسان بڑا سرکش ہے لیکن اس کی محبت اس قدر گہری ہے کہ ہماری خطائیں اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں چونکہ خدا محبت ہے بنی نوع انسان کو پیار کرتا ہے اس لئے اس کی محبت ہر طرح کا ایثار کرنے کے لئے تیار ہے خدا کو دنیا سے دشمنی نہ تھی۔بلکہ محبت اس لئے اس نے اپنا اکلوتا بیٹا(نعوذ باالله روحانی بیٹا نہ جسمانی بیٹا) بخش دیا۔تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا 4 باب 1 آیت) ہم نے محبت کو اسی سے جانا کہ اس نے ہمارے واسطے اپنی جان دی" (انجیل شریف خط اول حضرت یوحنا 3 باب 16 آیت)۔لیکن چونکہ بنی نوع انسان اپنے گناہوں میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور زبان حال سے پکار رہا تھا کہ الله مجھے کوئی آکر بچائے۔

انسان نے گناہوں کے بندھن سے رہائی پانے کے لئے سخت جدوجہد کی تو بھی دنیا سے گناہ مفقود نہ ہو سکا بلکہ۔

مـــرض بڑھتـا گیـا جوں جوں دوا کی

واہ خدا کی محبت۔۔۔۔کیا ہی عمیق ہے کہ عین اس عالم میں جبکہ انسان کی کشتی حیات منجدھار میں پھنسی تھی خدا انسانی جامہ پہن کر ہمارے درمیان آیا۔وہ خدا جو ہمارے گناہوں کے باعث دور تھا۔جس کے بے پایاں جاہ وجلال سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔المسیح میں ایک خوش منظر میں آتا ہے جیسے سورج کی کرن جوش قزح میں خدا کی لا متناہی محبت مسیح میں ایسی ظہور پذیر ہے جسے ہم آنکھوں سے دیکھ سکتے۔کانوں سے سن سکتے اور دل سے محسوس کر سکتے ہیں خدا جو گناہ سے

نفرت رکھتا ہے اور گنہگاروں کو پیار کرتا ہے اسکا پورا تصور مسیح میں ہوتا ہے وہ خدا جسے گناہ سے نفرت ہے المسیح میں ان سے محبت کرتا ہے جو محبت کے لائق نہ تھے۔ گناہ نے ہماری صورت بگاڑ دی۔ ہم خلق کئے گئے خدا کے ساتھ تھے لیکن گناہ نے اس کی پاکیزگی رشتہ کو توڑ دیا۔ لیکن مسیح نے اپنی جان گنہگاروں کے بدلے فدیہ میں دیدی۔ اور یوں وہ حد فاصل جو گناہ کی وجہ سے انسان اور خدا کے درمیان تھی اٹھ جاتی ہے۔ اب انسان بذریعہ ایمان بالکفارہ قربت الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔

نجات

تم کو ایمان کے وسیلے فضل ہی سے نجات ملی ہے تو یہ تمہاری طرح سے نہیں بلکہ خدا کی بخشش ہے اور نہ اعمال کے سبب سے تا کہ کوئی فخر نہ کرے۔ (انجیل شریف خط افسیوں 2 باب 8 تا 9 آیت)۔ اور یہ ایمان رکھنے کے سبب سے کہ جب ہمارے منجی خدا کی مہربانی اور انسان کے ساتھ اس کی الفت ظاہر ہوئی تو اس نے ہم کو نجات دی مگر راستبازی کے کاموں کے سبب سے نہیں جو ہم نے خود کئے بلکہ اپنی رحمت کے مطابق نئی پیدائش کے غسل اور وح القدس کے ہمیں نیا بنانے کے وسیلے سے جسے اس نے ہمارے منجی سید نا مسیح کی معرفت ہم پر افراط سے نازل کیا۔ (انجیل شریف بہ مطابق خط طیطس 3 باب 4 تا 6)۔ پس فخر کہاں اسکی گنجائش ہی نہیں۔

چنانچہ جب ہم کمزو ہی تھے تو عین وقت پر مسیح بے دینوں کی خاطر جان دی (انجیل شریف خط رومیوں 5 باب 3 تا 6 آیت)۔ حالانکہ ربنا المسیح تو بے گناہ تھا لیکن چونکہ اس کا رشتہ انسان سے ایسا گہرا تھا اور اس کی محبت انسان سے ایسی بڑی تھی تو ہم خیال کر سکتے ہی ہیں کہ اس کا غم انسان کے گناہ کے لئے شرم سے پر ہوگا۔ او روہ حقیقی پچھتاوا تو بہ ہوگی جو انسان محسوس نہ کر سکا۔ جس کے پر محبت اور دیندار والدین اپنے بیٹے کے باعث شرم اور پچھتاوا محسوس کرتے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ پر محبت اور قدوس ابن اللہ نے نوع انسان کے گناہ کے لئے شرم اور پچھتاوا سہا اس کے مطابق جب صلیب اس کی راہ میں آئی تو اس نے صلیب کو قبول کیا۔ اس سے گریز نہ کیا محض اس لئے قبول نہ کی کہ وہ اور خدا ایک ہیں بلکہ اس لئے کہ انسان کی طرف سے حقیقی پچھتاوا ظاہر کرے چونکہ یہ قربانی خود نثار محبت پر منحصر تھی اس لئے خدا نے اسے قبول کیا (انجیل شریف خط افسیوں 5 باب 2 آیت)۔

الغرض ربنا المسیح ہمارے لئے شکستہ خاطر ہوئے۔ ہمارے گناہ انہوں نے اٹھائے خود خدا محبت اور قدوس ہے اس لئے وہ انسانوں کے گناہوں کی شرمندگی اور الزام برداشت کرتا ہے اسی وجہ سے وہ مجسم ہوا تا کہ یہ بتلائے کہ خدا نے ہمارے گناہوں کی وجہ کس قدر شرمندگی اٹھائی۔ چنانچہ جب ہم مسیح مصلوب کو دیکھتے ہیں تو معلوم کرتے ہیں کہ محبت اور تقدس کے کیا معنے ہیں کس طرح والدین کی محبت اپنے بچوں کے لئے جوش زن ہوتی ہے خواہ ان کے بچے اچھے ہوں یا برے خدا کی محبت والدین کی محبت سے بہت زیادہ ہے۔ اس کے تحمل اور معافی کی طاقتیں مقابلۃً والدین کے بہت زیادہ ہیں۔ جب کوئی اس محبت کو کامل طور سے محسوس کر لیتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ "اے آسمانی باپ میں نے تیرا اور زمین کا گناہ کیا۔ اب اس لائق نہیں رہا کہ تیرا بیٹا کہلا سکوں۔

المسیح کی موت اور اس کے دکھ اٹھانے کا بیان کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو لیکن جب انسان مسیح مصلوب کی محبت اور اس کی صلیب کا تصور کرتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ میرے گناہوں کی خاطر مصلوب ہوا حقیقتاً صلیب میری تھی سزا میری تھی شرم میری تھی اور میری رسوائی تھی جو مسیح نے میرے لئے اٹھائی۔

پاکیزہ طبعیت اور کفارہ

مبادا کوئی لاابالی سے یہ کہہ دے کہ کفارہ مسیح کے ماننے سے انسان گناہ کرنے سے بری ہو جاتا ہے لیکن ہم بتلانا چاہتے ہیں کہ کفارہ مسیح پر ایمان لانے سے انسان گناہ کی کراہت محسوس کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت سے متاثر ہونے کے باوجود گناہ سے الفت رکھنا ممکن نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کفارہ کے ماننے کے بعد گنہگار کی سیرت بدل جاتی ہے وہ گناہ کے اعتبار سے مردہ اور نیکی کے اعتبار سے زندہ ہو جاتا ہے۔ مسیح جو ہماری راست بازی ہے اس کے فضل کے ذریعہ ہماری زندگی خدا میں پیوست ہو جاتی ہے اس لئے پاکیزہ اور الٰہی طبعیت حاصل کرنے کے بعد پاکیزہ طبعیت کا بگاڑ لینا ممکن نہیں۔ کیا کوئی بیمار اگر کسی مہلک بیماری سے شفا پانے کے بعد پھر اسی بیماری میں مبتلا ہونا پسند کرے گا۔ بدیں وجہ کہ وہ پہلے بھی ایک قابل ڈاکٹر کی جان نثاری اور تیمارداری کے سبب چھٹکارا پاچکا ہے؟ ہر گز نہیں تو گناہ کی ہولناک بیماری جو ابدی ہلاکت کا باعث ہے اس سے بذریعہ ایمان بالکفارہ مخلصی پاکر پھر گنہگار بننے کی آرزو کیونکر ہو سکتی جبکہ حوصلہ شکن اور زہر گداز منظر پیش نظر ہو۔ غرض "حق کی پہچان حاصل کرنے کے بعد اگر ہم جان بوجھ کر گناہ کریں تو گناہوں کی کوئی اور قربانی نہیں رہی ہاں عدالت کا ایک ہولناک انتظام اور غضبناک آتش باقی ہے"(انجیل شریف خط عبرانیوں 10 باب 8 آیت)۔

بلاریب مسیح کی صلیب خدا کا وہ نور ہے جو خدا کی محبت اور انسان کے گناہ کو خدا کی قدرت اور انسان کی عاجزی کو خدا کی پاکیزگی اور انسان کی نجاست کو ظاہر کرتا ہے در حقیقت مسیح ایک راز ہے اور اس کا حل اس کی قربانی ہونے والی روح میں موجود ہے۔ اور اس راز کا حل صلیب پر ہوا۔ پس اس کو سمجھنا مسیح کو سمجھنا ہے اور خدا کو جاننا ہے۔ خدا کو جاننا عالم موجودات اور زندگی کے معانی سمجھنا ہے صلیب ہی وہ واحد کنجی ہے۔ جسے اگر انسان اپنے ہاتھ سے جانے دے تو وہ پشیمان ہو گا۔ اور کائنات کا راز اس پر نہ کھلے گا۔ لیکن اگر اس کنجی کو اپنے قبضہ اور اپنے دل میں رکھے تو وہ اس راز کو معلوم کرنے پر قادر ہو گا۔ یہی خدا اور انسان کے درمیان مصالحت سے جو کفارہ پر ایمان لانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اب تک میں یہ ظاہر کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو چکا ہوں کہ کفارہ مسیح پر ایمان لانے سے خدا کی محبت کا سماں ہماری آنکھوں کے سامنے بندھ جائے کہ جس طرح خدا نے المسیح میں ہمیں پیار کیا۔ ہماری نجات کا بندوبست کیا۔ اس کس طرح سے اپنے پاس بلاتا ہے اور کس طرح مسیح میں انسانی ذات انسانی صورت اور انسانی زبان اختیار کرتا ہے۔ اگر ہر برگ و ثمر میں نقش کردگار آتے ہیں۔ تو کیوں خدا کا انسانی جامہ پہننا غیر ممکن تصور کیا جائے جبکہ وہ اپنے کریکٹر کے ظاہر کرنے کے لئے کرے؟

دوستو۔ ہم صرف ابن المسیح کی قوت میں ٹھہر سکتے ہیں۔ آسمان کے نیچے کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا۔ جس کے وسیلے سے ہم نجات پائیں۔(انجیل شریف اعمال رسل 4 باب 12 آیت)۔ دنیا میں کوئی اور طاقت نہیں جو انسان کی مادیت کا انسداد کرکے اس میں بلند نظری پیدا کرسکے۔ وہی ایک ایسے باغبان کی طرح ہے جو جنگلی گلاب میں اصلی گلاب کی لہر دوڑا دیتا ہے کیونکہ المسیح انسان میں بستا ہے اس میں خیال کرتا ہے اور یوں اس کے خیال ہمارے خیال ہو جاتے ہیں۔

اس کی زندگی ہماری زندگی ہو جاتی ہے۔ یہ کیسا بھاری فضل ہے کیسی گہری برکت ہے۔ کون ہے جو دنیا میں ذرہ کو اٹھا کر آفتاب کردے اور خاک کو اکسیر اعظم بنادے۔

امداد ہم سبھوں کی کیا کیا نہ بن کی
منجی کہیں طبیب کہیں رہنما کہیں

پس اتنی بڑی نجات سے غافل رہ کر ہم کیوں کر بچ سکتے ہیں۔ اس لئے آؤ اور اپنی جبین نیاز آستار مسیح پر دکھ دو۔ وہی تمہاری روحوں کو سکون بخشے گا وہی تمہارے خانہ تاریک کو جگمگادے گا۔ وہ اسی لئے ابن مریم بنا کہ ہمیں آسمانی خوشیوں سے مالامال کرے۔ اس نے اپنے آپ کو اس لئے پست کیا کہ ہمیں آسمانی مقاموں

میں پہنچائے۔ غرض اس سے باہر موت اور ہلاکت کی وادی ہے۔ چنانچہ اس ظلمت کدہ کے بسنے والوں میں سے جتنوں نے اسے قبول کیا۔ اس نے انہیں نور کے فرزند بنا دیا۔ عالم بالا پر خدا کی تمجید ہو اور زمین پر ان آدمیوں سے جن سے وہ راضی ہے صلح۔

وما علینا الا البلاغ